Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

Received: 22nd Aug, 2024 | Accepted: 15th Dec, 2024 | Available Online: 31st Dec, 2024
Digital Object Identifier: 10.52015/daryaft.v16i02.397

عاصم بٹ کے ناول " دائرہ " میں شناخت کا مسئلہ

The Problem of Identity in Asim Butt's Novel "Daira"

SAEEDA IRUM[1] AND DR. NAHEED QAMAR[2]
[1] Research Scholar Ph.D. Urdu, Federal Urdu University, Islamabad, Pakistan
[2] Associate Professor, Federal Urdu University, Islamabad, Pakistan
Corresponding Author: Saeeda Irum (oogloocreative@gmail.com)

ABSTRACT Asim Butt is one of the finest fiction writers of 21st century. The realistic topics and unique style of his writings not only fascinate the readers but also gives him a distinctive place among the other fiction writers of his time. Asim Butt deeply feels the pains and suffering of the modern person, who lost his roots and facing the issues of identity, loneliness and desolation in his inner world. His first novel “Daira” is one of the examples of his thoughts which depicts the miseries of the modern person who is in search of his identity and facing crises in his inner world.

Key words: Novel ,daira, Identity, loneliness, Desolation, Miserires,Crises

شناخت کسی بھی انسان کی انفرادی اور اجتماعی شخصیت کی وہ منفرد خصوصیات ہیں جو ہمیں دوسروں سے ممتاز کرتے ہوئے اس وسیع تر کائنات میں ایک الگ اور منفرد تشخص اور حیثیت عطا کرتی ہے۔ یہ ایک پیچیدہ اور کثیر جہتی تصور ہے کیونکہ ہر فرد یا معاشرہ بیک وقت ذاتی، سماجی، ثقافتی، تہذیبی، مذہبی، تاریخی، جنسی، پیشہ وارانہ، نفسیاتی، قومی اور جغرافیائی شخصیت، زبان، اقدار، عقائد اور تجربات رکھتا ہے اور یہی تمام عوامل مل کر اس کی شناخت کی تشکیل کرتے ہیں۔

بیسویں صدی اپنے ساتھ بہت سی ترقی کے ساتھ انسانی ارزانی، بے توقیری اور وحشت کا تحفہ بھی لائی، اس صدی میں ہونے والے متنوع واقعات مثلاً پہلی اور دوسری جنگ عظیم، انقلاب روس، نو آبادیات، جنگیں، ہجرتیں اور ان سب کے دوران ہونے والے خون ریز واقعات نے انسانی عظمت اور اخلاقیات و اقدار کے تصورات کو چکنا چور کر دیا، انسانی بے حسی، سیاسی رسہ کشی، موت کی ارزانی، جبر و استبداد، روحانی و اخلاقی اقدار کے زوال، سوشلزم، مارکسزم اور کیپیٹل ازم جیسی تحریکیں، مشین کی ترقی، سرمایہ دارانہ نظام کا فروغ، گلوبلائزیشن، سائنس اور مواصلات کی ترقی اور صنعتی ترقی کے نتیجے میں جنم لینے والے میکانکی اور خود غرض رویوں نے انسان کو مشین بنا تے ہوئے اسے سماج سے کٹ کر بے روح، خود غرض اور تنہا زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا۔ سرمایہ دارانہ نظام نے روحانیت، مذہب، اخلاقیات اور اجتماعیت جیسے تصورات کو ٹھیس پہنچائی تو انسان کا آخری جذباتی و روحانی سہارا بھی جاتا رہا اور وہ اپنی ہی ذات تک محدود ہو کر رہ گیا، جس کے نتیجے میں خارج کے ساتھ ساتھ اس کی داخلی شخصیت بھی گمبھیر مسائل کا شکار ہو گئی۔ ایک حد پر جا کر اسی مایوسی، تنہائی، عدم تحفظ اور بے یقینی کے شکار فرد نے سماجی پابندیوں سے بغاوت کا رویہ اختیار کر لیا جس کی ایک مثال یورپ جیسے ترقی یافتہ معاشرے

This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

میں ہپی ازم اور لادینیت کی صورت میں ہمارے سامنے آئی لیکن یہاں ایک سوال اور کھڑا ہوا کہ اگر اپنی ساری بنیادوں، اپنی جڑوں سے ہی انکار کر دیا جائے تو فرد اور معاشرے کی شناخت کیا ہو گی؟

شناخت کی تعریف پر نظر ڈالیں تو فرہنگ آصفیہ کے مطابق شناخت کے معنی:

"تمیز، پہچان، آگاہی، واقفیت، شناسائی کے ہیں"(۱)

کیمبرج ڈکشنری کے مطابق:

" The term identity refers to the quality that makes a person, organization different from others" (۲)

جبکہ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کے مطابق:

" Identity is the qualities, beliefs, etc. That makes a particular person or group different from others" (۳)

یعنی مجموعی طور پر شناخت وہ خصوصیت یا انفرادیت ہے جو ایک شخص، معاشرے، تہذیب، قوم یا تنظیم کو دیگر سے مختلف کرتی ہیں اور اگر ہم اس شناخت سے محروم ہو جائیں تو ہمارا وجود اور حیثیت ہی ختم ہو جاتی ہیں۔

ادب معاشرے کا وہ آئینہ ہے، جس میں ہم اپنی سیاسی و سماجی، اخلاقی و نفسیاتی زندگی اور رویوں کی اصل تصویر دیکھ سکتے ہیں جبکہ ادیب وہ حساس اور ذمہ دار ہستی ہے جو سماج میں ہونے والی تبدیلیوں اور مسائل کو اپنی تحریروں کے ذریعے ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ مابعد جدید دنیا کی حسیت، ژولیدگی، بے بسی اور بے حسی سے جنم لینے والی صورتحال نے آنے والی نسلوں میں حیات و کائنات کی حقیقت اور اپنے وجود کے تشخص کے حوالے سے ذہنی اور جذباتی تشکیک، خلفشار اور بے چینی کو فروغ دیتے ہوئے انسان کو شناخت کے المیے سے دوچار کیا تو اس عہد کے ادیب نے بھی اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے بدلتی ہوئی عالمی صورت حال اور اس سے پیدا ہونے والے انفرادی اور اجتماعی مسائل کو اپنی تحریروں کا موضوع بنایا۔ انہی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ شناخت کا ہے جس نے انفرادی اور اجتماعی دونوں حوالوں سے انسان کو متاثر کیا اور آج دنیا بھر کے بڑے ادیبوں کے یہاں ہمیں شناخت سے متعلقہ مسائل کے مباحث بڑی وضاحت سے نظر آتے ہیں۔

برصغیر کے حوالے سے بات کی جائے تو ان تمام عوامل کے علاوہ مابعد جدید صورت حال، کلونیل ازم، تحریک پاکستان، تقسیم اور پاکستان کی تشکیل کے بعد جنگوں، مارشل لاء، مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور دیگر مذہبی، لسانی، سیاسی و معاشرتی عوامل نے یہاں شناخت کے حوالے سے بہت سے سوالات کو جنم دیا۔ متحدہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان کی شناخت رکھنے والے تقسیم کے بعد پاکستانی اور ہندوستانی کے خانوں میں بٹے اور ابھی اس حادثے سے سنبھلے نا تھے کہ پاکستانی اور بنگالی کے خانوں میں بٹ گئے اور شناخت در شناخت کا یہ سفر کبھی لسانی کبھی مذہبی اور کبھی سیاسی و معاشرتی شناخت پر سوال اٹھا کر فرد اور معاشرے دونوں کے لیے زہر قاتل ثابت ہوا۔

"اس خطے کے لوگ ہندوستانی یا ہندی کہلاتے تھے لیکن ان کی قومیت کو از سر نو تشکیل دیا گیا اور وہ راتوں رات پاکستانی ہو گئے" (۴)

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

قیام پاکستان کے بعد ہم جن فکری، نظریاتی، جذباتی اور شناختی مسائل کا شکار رہے انکے باعث دانستہ یا نادانستہ طور پر شناخت اور اس سے متعلقہ مسائل ہمارے ادب کا حصہ بن گئے۔ ان ادیبوں میں ایک اہم اور معتبر نام عاصم بٹ کا ہے جن کی تحریروں کا ایک اہم موضوع انسان کی شناخت، اس کے وجود کی تلاش، جدید انسان کی داخلی و خارجی کیفیات، نفسیات کا الجھاؤ، جذباتی مسائل اور جدید دور میں شناخت کے حوالے سے عدم تحفظ کا احساس ہے جس نے انسان کے وجود اور شناخت کو ایک سوالیہ نشان بنا دیا ہے۔

عاصم بٹ اکیسویں صدی کے نمائندہ اور کثیر الجہت تخلیق کار ہیں جو بیک وقت بطور مترجم، محقق، نقاد اور فکشن نگار اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا چکے ہیں لیکن ان کا اصل میدان فکشن ہے جس میں انہوں نے جدید انسان کی نفسیاتی و جذباتی کشمکش اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کو ایک انوکھے اور دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔

> "عاصم بٹ دور حاضر کے ایک معروف فکشن نگار ہیں۔ ان کی پہچان ایک جدید حسیت کے حامل فکشن رائٹر کے طور پر مسلم ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ان کی تحریروں میں عام انسانوں کی زندگی اپنی ایک خاص معنویت کے ساتھ کئی جہتوں میں وقوع پذیر ہوتی ہے اور فرد کے باطن کی عمدہ تصویر کشی دیکھنے کو ملتی ہے"(۵)

ان کا شمار ان ادیبوں میں ہوتا ہے جو انسان کے جسم و جاں کو چاٹتی ان حقیقتوں اور مسائل کی نشاندہی کرتے ہیں جو بظاہر مکمل نظر آنے والے انسان کے داخل کو دیمک کی طرح چمٹے انہیں کھوکھلا کرتے ہیں۔ انسان کی ظاہری اور باطنی الجھنیں، جذبات و احساسات اور اس کے نفسیاتی مسائل عاصم بٹ کا خاص موضوع ہیں وہ خارج سے زیادہ باطنی تلاطم پر نظر رکھتے ہیں۔ وہ ایک غیر معمولی ادیب ہیں اسی لیے ان کے موضوعات، انداز اور کردار بھی انوکھے اور چونکا دینے والے ہوتے ہیں، ان کی تحریریں یکدم نہیں کھلتی بلکہ ہر قدم پر ایک نیا موڑ لے کر قاری کو اپنی سحر سے نکلنے کا موقع نہیں دیتیں۔ عاصم بٹ کی تحریروں کے متعلق ڈاکٹر رشید امجد کا کہنا ہے:

> "عاصم بٹ اس نسل کا نمائندہ ہے چناں چہ جب وہ اپنے آس پاس پر غور کرتا ہے تو اس کے نتائج اور رویے پرانے فکری رویوں اور نتائج سے مختلف ہوتے ہیں۔ ہونا بھی چاہیے، اس نے اپنے مختلف رویوں پر اپنی کہانیوں کی عمارت استوار کی ہے اور یہی اس کی کہانیوں کی جدت اور انفرادیت ہے"(۶)

عاصم بٹ نے اپنی ادبی زندگی کے ابتدائی دور میں ہی کافکا کو ترجمہ کیا شاید اسی لیے اکثر ناقدین کے مطابق ان کی تحریروں میں کافکا کے فکری، اسلوبیاتی اور وجودی تصورات کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ جس ادھورے پن، تشکیک، بیگانگی، لایعنیت، ااضطراب، تنہائی اور اجنبیت کی کیفیت ہمیں کافکا کے یہاں ملتی ہے اسی کی جھلک ہمیں عاصم بٹ کی تحریروں میں بھی نظر آتی ہے۔ ان کے یہاں فرد کی ذات اور شناخت کے حوالے سے مسائل بڑی وضاحت سے ابھر کر سامنے آتے دکھائی دیتے ہیں، ان کے کردار اپنی ذات کی شناخت اور وجود کے حوالے سے عدم تکمیلیت اور اضطراب کا شکار نظر آتے ہیں جو جدید انسان کا ایک بڑا اور اہم ترین مسئلہ

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

ہے۔ حقیقت سے اتنی جڑت ہی کے نتیجے میں ان کے کردار کسی داستان یا افسانے کے کردار محسوس نہیں ہوتے بلکہ وہ ہمیں اپنے ارد گرد زندہ سانس لیتے محسوس ہوتے ہیں۔اس حوالے سے عاصم بٹ کا کہنا ہے کہ:

> "میرے لئے سب سے اہم معاملہ کردار کے اندر چل رہا ڈائلمہ یا کش مکش ہے۔ اکثر ہم جو بھی کچھ کر یا کہہ رہے ہوتے ہیں وہ سو فیصد وہ نہیں ہوتا جو کہ ہمارے اندر چل رہا ہوتا ہے اور اس حقیقت کو اکثر اوقات ہم خود بھی نہیں جان پاتے۔میرے لئے سب سے محبوب موضوع ہے کہ میں اس کشمکش، اس ڈائلمہ کو پینٹ کروں۔ ہر انسان کا ایک ظاہری اور ایک نفسیاتی کردار ہے اور ان دونوں کے درمیان بہت بُعد، بہت فرق ہوتا ہے۔ جیسے کسی وقت آپ چاہ کچھ اور رہے ہیں، کہنا کچھ چاہتے ہیں لیکن اس کے بالکل متضاد کہنے یا کرنے پر مجبور ہیں۔ظاہر اور باطن کا یہ تضاد بظاہر شاید بلکل سادہ بات ہے لیکن اس میں بہت پیچیدگی ہے۔ یہی تضادات ہمارے داخل میں اضطراب اور کشمکش کا باعث بنتے ہیں جس سے زندگی میں ایلینیشن (بیگانگی)، بیزاریت اور بے معنویت پیدا ہوتی ہیں اور یہ شہری زندگی میں زیادہ طاقت کے ساتھ ہم پر اثرانداز ہوتی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جدید دور کے شہری انسان کے ہاں یہ مسائل بہت زیادہ ہیں۔ میرا بنیادی موضوع جدید انسان کے یہی وجودیاتی مسائل اور اس کا کرب ہے جو اس ایلینیشن، بے معنویت اور لایعنیت کا پیدا کردہ ہے۔"(۷)

عاصم بٹ کے پہلے ناول "دائرہ" میں انہوں نے جدید ہنگامہ خیز زندگی میں الجھے اس انسان کی تصویر کشی کی ہے جو اپنی شناخت کے حوالے سے تشکیک کا شکار ہو کر دائروں میں بھٹک رہا ہے۔ ان دائروں میں بھٹکتے ہوئے وہ بارہا اپنی ذات اور اپنی شناخت کے قریب سے اجنبی بن کر گزر جاتا ہے اور کہیں وہ خود سے پرے کھڑا خود کا پتا معلوم کرتا دکھائی دیتا ہے۔اس ناول میں انہوں نے انسانی تشخص کے المیے اور اس معاشرے میں سانس لیتے عام فرد کے معاشی، اخلاقی، سماجی نفسیاتی اور جذباتی مسائل کو بڑی فنکاری اور بہت ہی منفرد انداز میں اجاگر کیا ہے۔

اس کہانی کا مرکزی کردار راشد دور حاضر کی پر آشوب زندگی میں ذہنی و جذباتی پراگندگی اور وجودی کرب کا شکار ایک ایسا کردار ہے جو پیشے کے لحاظ سے فلم ایکٹر ہے لیکن اس کا ذہن، ذات اور زندگی اپنے کرداروں اور حقیقی زندگی دائروں میں الجھ کر اپنی شناخت ہی کھو چکے ہیں۔ اس ناول میں دور جدید کے اس انسان کا مسئلہ اٹھایا ہے جو کئی چہروں اور دائروں میں زندگی بسر کرتے کرتے داخلی کرب، تنہائی، مایوسی، بے گانگی، لایعنیت، تشکیک اور بے چینی کا شکار ہے۔وہ اپنی مرضی اور انتخاب کے بنا سماج کے مسلط کردہ دائروں میں جینے اور اپنی ذات پر ایک خول چڑھا کر دوہری زندگی گزارنے پر مجبور ہے اور کوشش کے باوجود ان مسلط کردہ دائروں سے چھٹکارا پانے میں ناکام رہتا ہے۔اسی دائروی حرکت اور پابندی کے باعث فرد کے اندر اکتاہٹ اور بے چارگی کا سفر شروع ہوتا ہے اور

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

ایک ایسی بے بس، مجبور اور سسکتی زندگی ہمارے سامنے رونما ہوتی ہے جس کی کوئی ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ یہ ایک ایسا تسلسل ہے جو دائرے کی طرح جاری و ساری ہے۔ اس کردار کے آئینے میں ہم سب ہی کہیں نا کہیں اپنی ذات کا عکس محسوس کرتے ہیں کیونکہ آج کے دور کا ہر انسان کردار در کردار بٹ کر اپنی شناخت اور اپنے تشخص کی تلاش میں بھٹک رہا ہے۔ عاصم بٹ اپنے اس ناول کے متعلق کہتے ہیں:

> "ہر انسان کی زندگی دراصل دائرہ در دائرہ سفر کی کہانی ہے اور دائروں کا یہ سفر کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اس ناول کا مرکزی خیال کری ایٹیو اوبسیشن (creative obsession) کا شکار ایسا فرد ہے جو اپنے داخل اور خارج کے دائروں میں الجھ کر اپنی شناخت اور اپنے وجود کے حوالے سے تشکیک کا شکار ہو چکا ہے۔ ہم اپنی زندگی میں جتنے بھی کردار ادا کرتے ہیں یہ ملٹی فیسڈ (multi faced) ہوتے ہیں، ان کی متنوع صورتیں اور رخ ہوتے ہیں جنہیں ہم طے نہیں کرتے لیکن یہ ہمارے وجود اور شناخت کو حصوں میں بانٹ دیتے ہیں لیکن ان سب صورتوں کو طے کرنے والا کون ہے؟ کیا یہ ہمارے داخل کی کوئی طاقت ہے؟ یا وہ مقدر جسے ہمارے لیے لکھا گیا ہے؟ یہی سوال اور الجھن آج کے انسان کا سب سے بڑا مسئلہ اور اس ناول کا بنیادی موضوع ہے۔" (۸)

راشد بظاہر ایک کامیاب فلم ایکٹر ہے لیکن وہ اپنی ذاتی زندگی کے اتار چڑھاؤ اور محرومیوں کے نتیجے میں نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو چکا ہے۔ ایک کامیاب اداکار کی حیثیت سے وہ اپنے تمام کرداروں میں گم ہو کر انھیں نبھاتا ہے اور بالآخر انہیں کرداروں میں اپنی شناخت کھو دیتا ہے۔ کہانی کا آغاز اس کی فلم کے آخری شاٹ سے ہوا جس میں وہ کاپی رائٹر آصف مراد کا کردار ادا کر رہا ہے لیکن فلم کے اختتام کے بعد بھی وہ اس کردار سے نکل نہیں پایا اور خود کو آصف مراد سمجھتے ہوئے اس کردار سے متعلق حوالوں اور شناخت کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ کہانی کے اختتام پر بھی وہ ایک مزدور امین گل کا کردار ادا کرتے کرتے اس کردار میں گم ہو جاتا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ دراصل اس کی شناخت کیا ہے؟ وہ راشد ہے، آصف مراد یا پھر امین گل؟ اس تلاش میں وہ صرف اپنی ذات سے ہی نہیں بلکہ اپنی بیوی کی ذات سے بھی بیگانہ ہو کر اپنی ذات، وجود اور اصل شناخت کے حوالوں سے انکار کر کے ان کرداروں سے جڑی شناخت کی تلاش میں اپنا آپ تلاش کر رہا ہے۔ وہ اپنے کرداروں میں اپنے آپ کو ایسے ڈھال لیتا ہے کہ اُسے خود سے جدا نہیں کر پاتا۔

اپنے آپ سے انکار کر کے اپنے کردار کے وجود کو تلاش کرنے کے لیے وہ کتنے ہی دن ان گلیوں، بازاروں اور جگہوں کی خاک چھانتا ہے جہاں اس کے خیال میں آصف مراد کی حیثیت سے اس کی شناخت ممکن تھی لیکن وہاں بھی اس کو پہچاننے والا کوئی نہیں تھا جس کے بعد وہ نفسیاتی اور جذباتی حوالوں سے بھی الجھن کا شکار ہو جاتا ہے لیکن اس تمام الجھن میں نورین اس کا ساتھ دیتی اور اسے اپنے اصل کی جانب لانے کی جدوجہد کرتی دکھائی دیتی ہے۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں راشد؟ وہ بولی۔

میں راشد نہیں ہوں۔

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

تم راشد نہیں ہو۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ عورت الجھی ہوئی غم زدہ اور غصیلی آواز میں بول رہی تھی

"شاید میری صورت راشد صاحب سے ملتی ہے۔ آپ شاید راشد کی بیوی ہیں۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ بھی نہ پہچان پائیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

"اوہ ہاں۔ تو میں سمجھی، اچھا یہ بات تھی"۔ "کچھ دیر خاموش رہی تو آپ کون ہیں"

"آصف مراد"

امیجز ایڈورٹائزنگ میں کاپی رائٹر؟.

"جی آپ؟"

"میں کوئی بھی نہیں۔ ایک بیوی، عاشق، اداکارہ، اور جانے کون۔"(۹)

اس ناول میں راشد کا کردار اس دور کے ہر اس انسان کا عکاس ہے جو اپنی ذات پر خول چڑھائے ایسی مصنوعی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا ہے جو بظاہر اپنی چکا چوند سے نگاہوں کو خیرہ کرتی ہے لیکن ہمارے باطن کو کھوکھلا اور ہماری ذات کو بے جڑ کر کے ہمیں ایک ایسے بے روح معاشرے کا حصہ بنا دیتی ہے جس کی نا تو کوئی بنیاد ہے اور نا ہی جڑت۔ آج کا انسان اخلاقی، نفسیاتی اور داخلی لحاظ سے ہمیشہ بے سکون اور ادھورے پن کا شکار رہتا ہے اور یہی کشمکش ہمیں اس ناول کے تمام کرداروں میں نظر آتی ہے۔

"صوفے میں دھنسے ہوئے خود اسے بھی اپنا آپ اس دھندلے منظر کا حصہ معلوم ہوا۔ وقت کے کسی عظیم منظر میں گم ہو کر وہ بھی اپنی شناخت کھو چکا تھا۔ شاید وہ اس منظر کا حصہ ہی نہیں تھا اور غلطی سے، جس کا ذمہ دار کوئی بھی ہو سکتا ہے، اس دھندلے منظر میں آنکلا تھا محض وقت کی کسی دوسری پرت میں کسی عظیم چال ساز کے کسی طاقت ور ارادے کے تحت۔"(۱۰)

اس ناول میں پیش کیا جانے والا ایک اہم مسئلہ اپنی جڑوں سے جڑت اور جدید انسان کی ذات اور شناخت کے کھوکھلے پن کا بھی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ فرد کی شناخت اس کی جڑوں کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔ شناخت جتنا مضبوط ماضی اور حوالے رکھتی ہے اس کا لڑکھڑانا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے اب یہ حوالے چاہے ہمارے ماضی یا رشتوں کی صورت میں ہوں یا زمینی، مذہبی اور سماجی، یہ ہمیں ایک ایسی جڑت فراہم کرتے ہیں جس کے رہتے ہمارا بھٹکنا اور اتنے سارے حوالوں کا انکار کرنا ممکن نہیں رہتا۔ ہمارے معاشرتی اور جذباتی رشتے ہماری ذات اور شناخت کو ایک محور ایک مضبوط بنیاد اور حوالہ فراہم کرتے ہیں اور کسی الجھاؤ کی صورت میں کہیں نا کہیں سے تھام کر اپنے مدار پر واپس لانے میں مدد کرتے ہیں لیکن راشد ان تمام حوالوں سے محروم تھا۔ بچے کی پہلی شناخت اس کے ماں باپ کا وجود ہوتا ہے، راشد کا باپ ایک نشئی تھا جس نے کبھی اسے باپ کی شفقت اور اس رشتے کے احساس کی خوبصورتی سے روشناس نہیں کروایا جبکہ اس کی ماں ایک بے بس، مجبور اور کمزور عورت تھی جو اپنی تمام زندگی ظلم سہتی ہے لیکن اپنے بیٹے کے لیے ایک اچھے مستقبل

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

کی تمنائی ہے۔ وہ اس کے لیے کوشش بھی کرتی ہے لیکن اپنے نشئی شوہر اور بیماری کے ہاتھوں شکست کھا کر اسے اپنے بھائی کے حوالے کر کے دنیا سے منہ موڑ لیتی ہے۔ حالات کی سختی اور جینے کی جدوجہد نے اس عورت کو اتنا تلخ کر دیا تھا کہ وہ راشد کو اس ماما سے روشناس نا کروا سکی جو اس کی یادوں کا حصہ بن پاتا۔ اسی لیے راشد کو نا تو باپ کا پیار ملا نا ہی ممتا جو اس کی شناخت کا حوالہ بنتی۔ ماموں نے راشد کو پناہ بھی دی اور مقدور بھر شفقت سے بھی نوازا لیکن اس کے پس پردہ بھی خود غرضی موجود تھی جس نے راشد کو وہاں سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔

اپنے اس ماضی، اپنی جڑوں اور وجود کے ان تینوں حوالوں سے راشد کی کوئی جذباتی وابستگی نہیں تھی اسی لیے اس کی شناخت بے جڑ اور معلق ہو کر رہ گئی اور جب وہ اپنی ذات کے بارے میں تشکیک کا شکار ہوا تو ایسا کوئی حوالہ کوئی رشتہ موجود نہیں تھا جو اسے واپس اپنے اصل کی جانب لانے میں مددگار ثابت ہو سکے۔ اسی بے جڑ، بکھری اور بے محور زندگی نے راشد کے اندر کبھی ختم نا ہونے والی بے چینی، کشمکش اور تلاش کو جنم دیا اور اسے ایک دوسرے وجود میں پناہ لینے اور شناخت کے نئے حوالے نئے پیمانے ڈھونڈنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے اپنے گرد نئے کرداروں اور نئی شناختوں کے دائرے تخلیق کیے جن میں الجھ کے وہ ان سے نکلنے کا راستہ ہی کھو بیٹھا۔

ناول کے اختتام میں راشد ہمیں ایک کان کن مزدور امین گل کا کردار ادا کرتا دکھائی دیتا ہے جسے کرتے ہوئے وہ ایک نئے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے اور راشد یا آصف مراد کے بجائے ایک نئے وجود ایک نئی شناخت 'امین گل' میں گم ہو جاتا ہے اور ایک ہذیانی کیفیت کا شکار ہو کر چلا اٹھتا ہے۔

> "وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا، میں امین گل نہیں ہوں۔ میں امین گل نہیں ہوں۔ میرا یقین کرو ۔ مجھ پر رحم کرو۔ میرے ساتھ دھوکا ہوا ہے۔ میں راشد ہوں، میں آصف ہوں نہیں نہیں۔ میں آصف۔ میں راشد۔ کیمرے آف کر دو۔ لائٹ آف۔ شاٹ کینسل۔ پیک اپ پیک اپ۔ میں یہ شاٹ نہیں کروں گا۔ میں یہ کیریکٹر نہیں کروں گا۔ کوئی مجھ سے زبردستی کچھ نہیں کروا سکتا۔ مجھے اس دائرے سے نکالو۔ مجھے واپس جانے دو۔ مجھے واپس جانے دو۔" (۱۱)

یہ چیخ اور بے بسی صرف اس کردار کی نہیں بلکہ اس مصنوعی اور بے روح معاشرے میں دم گھٹتے ہر اس انسان کی چیخ ہے جو اپنے نقاب نوچ کر اپنے اصل کے ساتھ جینا چاہتا ہے لیکن ایسا نا کرنے پر مجبور ہے۔ وہ اپنی ذات پر مسلط اس گھٹن سے نجات حاصل کرنے اور شخصی آزادی کا خواہشمند تھا لیکن اس دائرے کو توڑنے اور خود کو آزاد کرنے میں نا صرف یہ کہ ناکام ٹھہرا بلکہ دائرہ در دائرہ الجھتا چلا گیا۔ شاید اسی بے بسی اور جھنجھلاہٹ نے اس کے اندر اس رد عمل کو جنم دیا جو اس کی شناخت کے الجھاؤ کی صورت میں ہمارے سامنے دکھائی دیتا ہے۔ اس کا کردار جدید انسان کی اس کشمکش، نفسیاتی الجھنوں اور بغاوت کا عکاس ہے جو سماج کے لگے بندھے اصولوں کے مطابق جینے اور اپنی ذات کا اظہار نا کر سکنے کی بدولت گھٹن اور بے بسی کا شکار ہے، وہ یقین ذات اور اپنے جذبات اپنے اصل کا اظہار چاہتا ہے اور ایسا نا کر سکنے کی بدولت اپنی ذات اپنی شناخت کی نفی کرنے لگا ہے۔

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

"کوئی دروازہ ہو کہ جس پر دستک دے کر اسے کھولا جاسکے۔ لیکن یہ عمارت بے در تھی۔
کوئی کھڑکی کوئی روشندان نہیں تھا، کوئی جھری نہیں تھی جس سے وہ اندر جھانک پاتا۔
ہو ابند دائرہ تھا جس میں وہ داخل نہیں ہو پارہا تھا۔" (۱۲)

راشد آج کے دور کے ان لاکھوں بے بس اور مجبور لوگوں کا نمائندہ ہے جو سماجی مسائل، معاشی پریشانیاں، معاشرتی رویے، استحصال، تنہائی اور بے بسی جیسے عوامل کے نتیجے میں جنم لینے والی فرسٹریشن اور ڈپریشن سے جنگ لڑتے لڑتے اپنی ہی ذات کے ظاہر اور باطن میں الجھ کر رہ گیا ہے جس کے نتیجے میں اس کی اپنی ذات اور شناخت اس کے لیے ایک ایسا جگسا پزل (jigsaw puzzle) بن چکی ہے جسے سلجھانے کی کوشش میں وہ مزید الجھ کر رہ گیا ہے اور بالآخر فرار کے لیے اپنی ہی ذات کے خول میں قید ہو کر رہ گیا ہے۔ راشد کی زندگی کی محرومیاں، مسخ شدہ بچپن، الجھے ہوئے اور خود غرض رشتے، ناآسودہ تمنائیں، بے بسی اور تنہائی اس کے باطن میں ایک ایسا شور برپا کر دیتے ہیں جس سے بچنے کے لیے دوہری اور منافقانہ زندگی جینے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اسی ماضی اور شناخت سے اپنا دامن بچانے کے لیے وہ کبھی آصف مراد کے کردار میں پناہ ڈھونڈتا ہے تو کبھی امین گل کی صورت میں اپنی شناخت تلاش کرتا ہے۔ یہ سارے کردار اس کی شناخت کے دائرے ہیں جن میں اپنا آپ ڈھونڈنے کی کوشش میں اس کی ذات دائرہ در دائرہ الجھتی چلی جاتی ہے۔

"اس نے خود کو ایسے لوگوں میں گھرا ہوا پایا جو اسے ایک نئے نام اور کردار سے جانتے تھے، اور وہ مخمصے میں مبتلا ہو گیا کہ کیا یہ لوگ کسی غلط فہمی کا شکار تھے۔ یا خرابی خود اس کے ہی سمجھنے اور جاننے میں کہیں تھی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ شخص جو آصف تھا یا راشد یا کوئی تیسرا، چوتھا، پانچواں یا چھٹا فرد، اس نئی زندگی سے نئے سرے سے یوں گہری موافقت قائم کر چکا تھا کہ اب وہ خود بھی اس بات کو شک کی نگاہ سے دیکھتا کہ کیا واقعی وہ کبھی اس طرز زندگی سے جدا کوئی زندگی گذار تارہا تھا؟ کیا واقعی وہ اپنے اس موجود کردار سے ہٹ کر بھی کبھی کسی دوسرے کردار کی صورت میں زندہ رہا تھا" (۱۳)

راشد کا کردار وقت اور سماج کی جبریت کے تحت جنم لینے والا ایسا المیہ ہے جو اپنی نفسیاتی الجھنوں کے نتیجے میں اصل اور وہم کے درمیان الجھ کر اپنی شناخت کھو چکا ہے۔ اب وہ اپنے اصل کو وہم مانتا ہے اور وہم کو اصل مان کر اس کی تلاش میں سرگرداں ہے جس میں ناکام ہونے پر وہ صرف اپنے وجود اور اپنی شناخت سے ہی انکار نہیں کرتا بلکہ اپنے سے جڑے دوسرے رشتوں کی شناخت، اپنے ماضی اور دیگر حوالوں سے بھی گریزاں ہے اور آصف مراد کے کردار میں گم ہو کر اپنے تصورات کی دنیا کو ہی حقیقت مان کر اپنی حقیقت سے منکر ہے لیکن جب اس حوالے سے بھی اپنی تلاش میں ناکام رہتا ہے تب اس کی الجھن سے شناخت کا وہ المیہ جنم لیتا ہے جو راشد کے کردار میں ایک الگ طرح کی وحشت، المیے اور بے بسی کو جنم دیتا ہے۔ وہ ایک حساس انسان ہے جو داخلی اور خارجی دونوں حوالوں سے اس

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024
تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

وقت اور سماج میں ان فٹ ہے شاید اسی لیے وہ داخلی جبریت کا شکار ہے اور اپنا وجود تلاشتا بھٹک رہا ہے، اس تلاش نے اسے صرف اس کی ذات سے ہی نہیں بلکہ اس سے وابستہ دوسرے لوگوں سے بھی بیگانہ کر دیا ہے۔

"اگر وہ سب کچھ جو اس کے خیال میں یہیں کہیں تھا محض التباس تھا تو پھر انہی کا ایک حصہ، انہی میں شامل ایک جزو، یعنی وہ خود بھی کیا التباس سے زیادہ کچھ ہے؟ تو اس کی کیا حقیقت ہے؟ محض ایک خواب کا کردار یا؟۔" (۱۴)

ڈاکٹر ممتاز احمد کے مطابق:

"نورین اس کی بیوی ہے لیکن وہ اس کردار کے بارے میں تشکیک کا شکار ہے یہ ہی شک ایک عفریت کی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی خانگی زندگی شکست و ریخت کا شکار ہونے لگتی ہے اور یہ نفسیاتی عارضہ اسے ذاتی تشخص کی گمشدگی کے مین ہول میں دھکیل دیتا ہے۔" (۱۵)

راشد کے کردار کے علاوہ اس کہانی کا دوسرا اہم کردار اس ناول کی ہیروئین اور راشد کی بیوی نورین ہے جو راشد ہی کی طرح ایک اداکارہ ہے اور زندگی کے بہت سے اتار چڑھاؤ اور سماج کے بہت سے رویوں کو سہتی اس مقام تک پہنچی ہے لیکن کہیں نا کہیں وہ بھی شناخت کے اسی المیے کا شکار ہے جو اس دور کے ہر انسان کی زندگی کا حصہ بن چکا ہے۔

"اسے یہ سب کچھ بہت بے معنی معلوم ہوا۔ آصف مراد اور زرینہ اور وہ خود ...
سکرپٹ میں لکھے ہوئے کردار۔ ایک ہی پل میں
کئی کئی زندگیاں جیتے ہوئے کردار۔ اور وہ خود کیا تھی؟ نورین یا زرینہ، یا بیک وقت کوئی ایسی تیسری ہستی جو ان دونوں کرداروں سے جدا بھی تھی اور ان میں شامل بھی" (۱۶)

نورین کا کردار اس سماج کا وہ چہرہ سامنے لاتا ہے جو عورت کی حیثیت کو قبول کرنے سے انکاری ہے۔ اس کی صنفی شناخت اس کے وجود کو اس کے اپنے باپ کے لیے ناقابلِ قبول بنا دیتی ہے۔ اس کے باپ ملک خداداد نے پہلی بیوی سے دو بیٹیاں پیدا ہونے پر بیٹے کے لیے دوسری شادی کر لی۔ ملک خداداد کا یہ رویہ ہمارے معاشرے کی اس پچھڑی ہوئی سوچ کا عکاس ہے جہاں بیٹے ہی کو اپنی نسل کا امین اور اپنی شناخت کا محافظ مانا جاتا ہے اور بیٹیوں کو پرایا دھن کہ کر ہر جگہ بیٹوں کو ان پر فوقیت دی جاتی ہے۔ مرد تو ایک طرف ماں خود عورت ہونے کے باوجود بیٹوں کی ماں ہونے پر جو فخر محسوس کرتی ہے وہ بیٹیوں کے وجود پر نہیں کیا جاتا جس کے نتیجے میں عورت ہمیشہ دوسرے درجے کی مخلوق کی طرح ٹریٹ کی جاتی ہے۔ نورین کی بہن کی شادی بھی اس نے ایک ایسے انسان سے کی جو صرف بیٹے کی خواہش میں تیسری شادی کر رہا تھا اور جب یہ بیوی بھی اس کی خواہش پورا کرنے میں ناکام رہی تو اسے طلاق دے دی جس کے بعد ماں نے نورین کو بچانے کے لیے اپنے کے بھائی کے پاس شہر بھیج دیا جس کی بدولت وہ اس نظام سے نکل کر اپنی شناخت بنانے میں کامیاب ہو سکی۔

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

"وہ ان ہی لوگوں میں سے تھی لیکن ان جیسی ہونے سے اس نے خود کو بچا لیا تھا۔ وہ ان کے اجتماعی مقدر کا حصہ نہیں بنی تھی۔۔۔۔۔۔اس کی طاقت تھی تو محض اتنی کہ ایک خواہش تھی کھلی فضاؤں میں اڑنے کی، ان زنجیروں کو توڑنے کی جن میں وہ وقت کے جبر کے تحت پابند تھی۔ لیکن محض خواہش کیا ہے؟۔۔۔۔۔شاید اس کی خواہش کے احترام میں اس کے حق میں فیصلہ دیا گیا تھا یا پھر وہ اتفاق سے پہلے سے بنائے گئے کسی پالیسی فریم میں فٹ آگئی تھی محض اتفاق سے۔" (۱۷)

عاصم بٹ نے اس ناول میں خواتین کے کرداروں کی صورت میں معاشرے کی دیمک زدہ سوچ کی بھرپور عکاسی کی ہے۔ راشد کی ماں ہو یا نورین کی ماں اور بہن یا پھر جسم فروش زیتون بیگم یہ تمام عورتیں سماج کی اس سوچ کی عکاس ہیں جہاں عورت کا وجود اور تشخص کوئی معنی نہیں رکھتا۔ انہیں ان کی صنفی شناخت کی بنا پر انہیں نا صرف یہ کہ رد کیا جاتا ہے بلکہ انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح استعمال بھی کیا جاتا ہے۔ اسی ماحول سے جنم لینے والا نورین کا کردار اگر اپنی شناخت کے حوالے سے مسائل کا شکار ہے تو یہ کوئی ایسی اچھنبے کی بات بھی نہیں۔

"کبھی کبھار عام حقیقی صورت حال اسے فلم کے کسی سیٹ ہی کی مانند لگتی۔ جیسے ابھی کہیں سے آواز آئے گی، کٹ۔ اور یہ سین جسے وہ اپنی زندگی سمجھ کر بسر کر رہی ہے، یکبار گی ختم ہو جائے گا۔" (۱۸)

ایک مشکل زندگی گزار کر نورین راشد کے ساتھ رشتہ ازدواج میں بندھ گئی اور ایک کامیاب فلم ایکٹرس بھی بن گئی لیکن یہاں بھی اسے ہر قدم پر اپنی شناخت کے حوالے سے جنگ لڑنی پڑی۔ ہر بار جب راشد اپنے کردار میں گم ہو کر اپنا وجود فراموش کرتا تو ساتھ ہی وہ نورین کے وجود اور اس کی بیوی کی حیثیت سے بھی انکاری ہو جاتا اور ہر بار نورین کو نئے سرے سے اپنے وجود کی شناخت کروانی پڑتی۔ اس موقع پر وہ ایک دوست اور ماں کی طرح راشد کے ساتھ اس کی تلاش میں بھٹکتی، کبھی وہ آصف مراد کے فرضی گھر لے کر جاتی اور کبھی ان گلیوں بازاروں میں لیے گھومتی جہاں راشد کے خیال میں اسے اس کی شناخت مل سکتی تھی، اس تمام عمل میں وہ شوہر کی بے اعتنائی بھی سہتی رہی۔

راشد اور نورین کی طرح اس ناول کے باقی کردار بھی اپنی اپنی جگہ شناخت کے مسئلے سے الجھے ہوئے ہیں اور اپنے تشخص کی جنگ لڑنے میں مصروف ہیں۔ ناول کی ابتدا میں نظاہر ایک غیر معمولی کردار کی صورت میں سامنے آنے والی طوائف زیتون بانو بے شک کہانی میں صرف ایک جھلک دکھاتی ہے لیکن وہ شناخت کے محروم عورت کی بے بسی کی مکمل تصویر ہمارے سامنے پیش کر دیتی ہے۔

"زیتون بانو ایک عام سی مسکین، بے چاری اور بدکار عورت تھی جو کسی رومانس اور سسپنس سے بھرے ناول کی ہیروئن نہیں ہو سکتی تھی۔ اس جیسی ہر دوسری عورت کی

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024
تحقیقی وتنقیدی مجلّہ
دریافت

مانند اس کی زندگی بھی روز مرہ کی سفاک یکسانیت اور استحصال کے بوجھ تلے دبی ہوئی تھی"[۱۹]

عاصم بٹ کی کہانیوں کی ایک انفرادیت ان کے یہاں انسان کی مکمل شخصیت کا اظہار ہے وہ انسان کی ظاہری اور باطنی دونوں دنیاؤں اور ان کی کشمکش کو اپنی کہانیوں میں پیش کرتے ہیں۔ان کا ماننا ہے کہ انسان صرف ایک چلتی پھرتی، سانس لیتی مشین نہیں ہے بلکہ اس کی جذباتی اور روحانی ذات کا وجود بھی اتنا ہی اہمیت کا حامل ہے بلکہ شاید وہی انسان کا اصل ہے جس کی ٹوٹ پھوٹ اور الجھاؤ اس انسان کی ذات کے ساتھ ساتھ اس کے ارد گرد کی پوری فضا اور لوگوں کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ان کی تحریروں میں فرد کی انفرادیت کے حوالے سے شناخت کے مختلف عوامل بھی پوری وضاحت سے نظر آتے ہیں۔ڈاکٹر ارشد معراج کے مطابق:

"دائرہ کے کردار فرد سے افراد اور افراد سے معاشرے اور معاشرے سے نظام کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں، دائرہ پاکستانی معاشرے کی پر پیچ تہہ دارگلیوں میں پیدا ہونے والے مسائل سے پیدا ہونے والی انسانی کیفیات میں تبدیلیوں کو ظاہر کرتا ہے۔"[۲۰]

عاصم بٹ جدید انسان کی زندگی کے ان نفسیاتی، سماجی، جذباتی اور معاشی پہلوؤں کو ہمارے سامنے کھولتے ہیں جن سے کوئی بھی فرد اپنی ذات کے اندر خانے لڑتا رہتا ہے لیکن ان کا اظہار کرنے سے قاصر ہے۔وہ زندگی کے مسائل اور ذمہ داریوں کے انبار میں گم ہو چکی ناآسودہ خواہشوں، یادوں اور ہمارے اصل چہرے سے گرد جھاڑ کر اس میں چھپے وجود کی شناخت کا سوال اٹھاتے ہیں وہ وجود جو سماج کے ڈر سے سامنے آنے سے ڈرتا ہے اور اپنے ہونے پر شرمندہ محسوس کرتا ہے۔اس کہانی کے آغاز سے لیکر آخر تک قاری ہر کردار اور اس کی الجھنوں کے ساتھ ساتھ سفر کرتا ہے۔کہانی کی بُنت اتنی مضبوط اور جکڑ لینے والی ہے کہ آخر تک قاری خود بھی راشد اور آصف مراد کے کرداروں میں الجھ جاتا ہے اور انہیں پہچان نہیں پاتا شاید اسی لیے اس الجھن اور کرب کو محسوس کرنے میں بھی کامیاب رہتا ہے جو راشد یا آصف مراد اور پھر امین گل کی صورت میں سامنے آتی ہے۔اور شاید یہ ایک مصنف کا کمال ہے کہ وہ قاری کو ان جذباتی ونفسیاتی کیفیات میں ساتھ لے کر چلے اور یقیناً عاصم بٹ نے اس حوالے سے اپنے کمال کا اعتراف کرنے پر مجبور کیا ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، جلد سوم، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۸۰
۲۔ https://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/identity
۳۔ https://www.britannica.com/dictionary/identity
۴۔ صفدر زیدی، مقدمہ، شناخت، فرانسز فوکویاما، مترجم، عدنان ظفر، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۲۳ء، ص ۰۹
۵۔ ماریہ خادم، مقالہ، محمد عاصم بٹ کی فکشن نگاری، یونیورسٹی آف سرگودھا، ۲۰۱۹ء، ص ۳۸
۶۔ رشید امجد، ڈاکٹر، اشتہار آدمی اور کہانیاں، مشمولہ: اوراق مدیر وزیر آغا، لاہور، سہ ماہی اوراق، س۔ن، ص ۱۰
۷۔ https://www.youtube.com/watch?v=6K8XT7pyYIE

۸۔ ایضاً

۹۔ محمد عاصم بٹ، دائرہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص ۷۸

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۰۰

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۵۴

۱۲۔ ایضاً، ص، ۲۱۵

۱۳۔ ایضاً، ص، ۲۴۱

۱۴۔ ایضاً، ص ۲۱۹

۱۵۔ ممتاز احمد خان، ڈاکٹر، اردو ناول کے ہمہ گیر سروکار، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۲۳۷

۱۶۔ ایضاً، ص ۸۰

۱۷۔ ایضاً، ص ۲۲۱

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۰۷

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۱

۲۰۔ کومل شہزادی، محمد عاصم بٹ کے ناولوں میں وجودیت کے اثرات، مشمولہ: متن (ششماہی تحقیقی مجلہ)، جلد ۲، شمارہ ۲، جولائی تا دسمبر ۲۰۲۱ء، ص ۱۴۱

References in Roman Script:

1. Syed Ahmed Dehlvi, Farhang-e- Aasfiya, Jild Suwwam, Urdu Science Board, Lahore, 2010, P.180
2. https://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/identity
3. https://www.britannica.com/dictionary/identity
4. Safdar Zaidi, Muqaddama , Shanakht, Frances Foucault Yama, Mutarjam, Adnan Zafar, City Book Point, Karachi, 2023 , P.9
5. Maria Khadim, Maqala, Muhammad Asim Butt Ki Fiction Nigari, University of Sargodha, 2019 , P.38
6. Rasheed Amjad, Dr, Ishtihar Aadmi aur kahanian, Mashmolla: Auraq, Mudeer Wazeer Aagha, Lahore, Seh Mahi Auraq, Seen Noon, P.10
7. https://www.youtube.com/watch?v=6K8XT7pyYIE
8. ibid
9. Muhammad Asim Butt, Daira, Sang-e-Meel Publications, Lahore, 2014, P. 78
10. Ibid, P. 200
11. Ibid, P. 254
12. Ibid, P. 215
13. Ibid, P. 241

Research Journal DARYAFT
ISSN (E): 2616-6038, ISSN (P): 1814-2885
Volume 16. Issue 02, December 2024

14. Ibid, P. 219
15. Mumtaz Ahmad Khan, Dr, Urdu Novel Kay Hama Geer Sarokar, Fiction House, Lahore, 2017 , P. 237
16. Ibid, P.80
17. Ibid, P. 221
18. Ibid, P.207
19. Ibid, P.211
20. Komal Shehzadi, Muhammad Asim Butt ke novels mein Wujoodiyat ke Asraat, Mashmola: Matn (Shashmaahi Tehqeeqi Majalla), Jild 2, Shumara 2, July ta December 2021, P. 141

Ms. Saeeda Irum is a Ph.D. scholar in the Department of Urdu at Federal Urdu University of Arts, Science, and Technology, Islamabad, Pakistan. She holds an M.Phil. from Allama Iqbal Open University, Pakistan, and is currently pursuing her Ph.D. in Urdu Fiction and Criticism. She has published one article. Her research interest focuses on critical perspectives in Urdu fiction.

Dr. Naheed Qamar is an Associate Professor in the Department of Urdu at Federal Urdu University of Arts, Science, and Technology, Islamabad, Pakistan. She completed her Ph.D. in Urdu from the National University of Modern Languages Islamabad, Pakistan, specializing in Urdu Fiction and Poetry. She has authored 26 articles and six books. Her current research interests include exploring new dimensions in Urdu fiction and poetry.